© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

ادب اور دین واخلاق؟

سید جلال الدین عمری

> ۶، ۷، اکتوبر ۱۹۹۰ء کو دہلی میں ادارۂ ادب اسلامی ہند کی کانفرنس تھی۔ ۷، اکتوبر کی شب میں اس کی جانب سے غالب اکیڈمی میں شعری نشست رکھی گئی۔ اسی میں ذیل کا خطبۂ استقبالیہ پیش کیا گیا۔

بزرگانِ محترم! یہ بھی ایک تماشہ بلکہ طرفہ تماشہ ہے کہ دینیات کے کسی طالب علم سے فرمائش کی جائے کہ وہ شعر و سخن کی ایک سنجیدہ محفل سے خطاب کرے۔ خطاب کی صلاحیت نہ ہو تو کہا جائے کہ اپنے غیر ادبی اور غیر شاعرانہ خیالات کو قلمبند کرکے پیش کرے۔ ادھر بقول غالب 'اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا'۔ ہم بھی بغیر کسی تکلف اور پس و پیش کے اس کیلیے تیار ہو گئے۔

یہ خاکسار نہ ادیب نہ ناقد، نہ ناول نویس نہ افسانہ نگار، نہ اس میں غزل کہنے کی صلاحیت اور نہ وہ نظم کہہ سکتا۔ میں نے سوچا اس نظرِ انتخاب یا نگاہِ التفات کی آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ خیال ہوا کہ ادب کو کیوں ان اصنافِ سخن تک محدود سمجھا جائے؟ کیا ادب کا دین، مذہب اور اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو یہ شرکت، شرکتِ ناجنس یا صحبت ناجنس نہ ہوگی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے دوستوں کے حسنِ ظن کی اچھی سی توجیہ اور اس سمع خراشی کے لیے وجہ جواز فراہم ہو جاتی ہے۔

ایک زمانہ میں ادب برائے ادب کا بڑا زور تھا۔ اب تو اس کا کہیں ذکر فکر تک نہیں ہے۔ جس خیال کی جڑیں انسان کی فطرت میں پیوست نہ ہوں، کچھ دن بعد خود بخود اس پہ پژمردگی چھا جاتی ہے۔ وہ اپنے وجود سے بھی ندامت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے کہ اگر کسی غیر فطری اور غیر عقلی نظریہ کو حکومت اور اقتدار بیساکھی فراہم کردے تو دور سے اس کی جوانی اور توانائی کا دھوکا ہونے لگتا ہے، لیکن تجربات اسے جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اس کی زندہ مثال مارکس کا فلسفہ ہے۔ جو اپنی موت آپ مر رہا ہے کسی پر اس کے قتل و خون کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ ادب برائے ادب کا نظریہ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا یا ابھی اس میں کچھ آثار حیات باقی ہیں۔ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اس نظریہ کے محرکات تو بہت سے ہوں گے لیکن یہ ادب کو مذہب اور اخلاق سے کاٹنے کی ایک سازش تھی۔

دنیائے ادب کا یہ بھی ایک اعجوبہ اور صحیح معنی میں انوکھا ہے کہ جو ادب انسان کے سفلی جذبات کو ابھارے، عیاشی اور نفس پرستی پر آمادہ کرے، عریانیت اور بے حیائی کی تعلیم دے اور جس کی سطر سطر سے فحاشی کا مظاہرہ ہو رہا ہو وہ 'ادب لطیف' کہلائے۔ زبان و بیان کی جو بے راہ روی بھی اس سے سرزد ہو وہ ایک نیا تجربہ قرار پائے اور اس کی ژولیدہ فکری اور ژولیدہ بیانی کے بارے میں یہ یقین دلانے کی کوشش کی جائے کہ یہ فلسفیانہ بصیرت اور جدید طرز تعبیر ہے۔ اس کے برخلاف شستہ اور شائستہ انداز میں، ادب کے قواعد و ضوابط اور مسلّمہ اصول و اقدار کی رعایت کے ساتھ دین و اخلاق کی بات کی جائے تو ماتھے پر بل پڑ جائیں اور بڑی حقارت کے ساتھ کہا جائے کہ یہ وعظ ہے، تبلیغ ہے، پروپیگنڈہ ہے، ادب نہیں ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ اس کور چشمی کو حسن کا کرشمہ کہنا حسن کی توہین ہے۔ لیکن عجیب بدنصیبی ہے کہ اسی کور چشم ادب پر دنیا فریفتہ ہے۔ ع اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی۔

یہ بھی ایک عام خیال ہے لیکن ہے بڑا خام خیال کہ مذہب کا ادب سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مذہب اپنا مقصد اور مدّعا خشک اور بے مزہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ اس میں ادب کی لطافت اور چاشنی کا تلاش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے پانی کی تلاش میں کوئی شخص سراب کے پیچھے دوڑتا پھرے۔ ان دونوں میں پنبہ و آتش کی نسبت ہے۔ جہاں مذہب نے قدم رکھا ادب خاکستر ہو گیا۔ مذہب خارا شگاف تو ادب شیشہ ساز۔ ادب کا آبگینہ مذہب کا ٹھوڑا برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اس کی ذرا سی چوٹ سے پارہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پارہ ہو کر رہ جائے گا۔

اس خیال کے پیچھے تعصب کے ساتھ علم و بصیرت کا فقدان بھی ہے۔ توریت اور انجیل کے مذہبی کتب ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اس میں قدم قدم پر خالص ادبی نقطۂ نظر سے جوش پارے ملتے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ آبِ زر سے لکھے جائیں، جنہیں صحیفوں ہی میں نہیں سینوں میں محفوظ رکھا جائے، جو زبان پر آئیں تو ادب و بلاغت بلائیں لینے لگے۔ یہ کتابیں ترجمہ در ترجمہ ہو کر ہم تک پہنچی ہیں اور ان کا بڑا حصہ الحاقی ہے۔ ورنہ شاید ان کا پورا اندازہ بھی ہوتا۔

ادب میں خیالات اور ان کے طریقۂ اظہار دونوں کی اہمیت ہے۔ ان دونوں کے حسین امتزاج سے ادب وجود میں آتا ہے۔ اعلیٰ ادب کی شان یہ ہے کہ لطیف ترین جذبات اور پاکیزہ خیالات کو خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا جائے۔ اس پہلو سے قرآن مجید ایک معجزہ ہے۔ اس میں یہ دونوں خوبیاں اس طرح رل مل گئی ہیں جیسے کسی حسین پیکر میں ملکوتی روح بول رہی ہو۔

عربوں کو اپنی خطابت اور شاعری پر بڑا ناز تھا۔ لیکن ان کے موضوعات بہت محدود تھے۔ وہ عشق و محبت کے افسانے سناتے، قومی مفاخر بیان کرتے، رزم نامے مرتب کرتے، مرثیے لکھتے، پہاڑوں کی بلندی اور چشموں کی روانی کا ذکر کرتے، صحرا و بیاباں کا نقشہ کھینچتے، اپنے سفروں کی روداد رقم کرتے اور اپنے اچھے برے تجربات بیان کرتے۔ اس سے آگے کی دنیا انہوں نے دیکھی نہ تھی۔ آج کے ادیبوں کی دنیا بھی شاید کچھ زیادہ وسیع نہیں ہے۔ قرآن مجید نے ان کے ادب کا رخ موڑ دیا اور اسے ایک نئی دنیا سے روشناس کرایا۔ جس میں فکر کی تابانی تھی اور سیرت کا حسن تھا۔ اس نے حیات و کائنات کا صحیح تصور دیا۔ فرد، خاندان، معاشرہ، اخلاق، قانون اور حکومت و ریاست کے لیے ضابطے دیے۔ زندگی گزارنے کا اس طرح سلیقہ سکھایا کہ انسان کو دنیا کی آلائشوں میں لت پت ہونے نہیں دیا۔ اس کے حق میں دلائل قائم کیے، فطرت اور نفسیات سے اپیل کی، تاریخ کا جائزہ لیا اور عروج و زوال کے اسباب بیان کیے۔

اس پورے فلسفۂ حیات کے اظہار و بیان کے لیے اس نے زبان کو نیا اسلوب اور نیا آہنگ دیا، نئی تراکیب دیں، الفاظ کو نئے معانی سے ہمکنار کیا، اس کا لب و لہجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاعری کا نہیں لیکن شاعری کا کیف وسرور اس میں موجود ہے، وہ عام معنوں میں خطابت بھی نہیں لیکن بڑے بڑے نامور خطیبوں کی زبانیں اس کے سامنے بند ہوگئیں، اس کی آیات میں بجلی کی کڑک، طوفان کا زور اور سیلاب کی روانی ہے۔ وہ قیامت تک کے لیے ایک معجزہ ہے۔ اس کا اعجاز لفظی بھی ہے اور معنوی بھی۔ اس کا اسلوب بے نظیر اور اس کی تعلیمات بے مثال۔ وہ الفاظ و معانی دونوں پہلوؤں سے دنیا کے لیے چیلنج بن کر رہا اور آج بھی ایک زبردست چیلنج ہے۔

اس بات کا بڑی گہرائی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ دنیا کے وسیع لٹریچر پر مذہبی کتابوں کے کیا اثرات پڑے اور مختلف اصنافِ ادب ان سے کس حد تک متاثر ہوتے رہے۔ قرآن مجید کی حد تک یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس نے فکر و خیال اور اظہار و بیان دونوں پر غیر معمولی اثرات ڈالے اس کی وجہ سے انسان کا ذہن کھلا۔ اس نے اپنے آپ کو دیکھا، طبعیات پر نظر ڈالی اور مابعد الطبعیات پر غور کیا اور ان سب کے بارے میں ایک متعین اور واضح نقطۂ نظر کے ساتھ آگے بڑھا۔ انسان اور اس کی انسانیت کو جس چیز نے سب سے زیادہ نقصان پہونچایا وہ اس کا ایک رخا پن ہے۔ اس کے رجحانات اور میلانات کا بہاؤ کبھی ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی دوسری طرف وہ دوڑ پڑتا ہے۔ اسلام نے اسے اعتدال و توازن کی راہ دکھائی اس نے ایک طرف یہ حقیقت سمجھائی کہ

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

اور دوسری طرف صحرا نشینوں کو، جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا، بنا دیا۔

اس سے علم، ادب اور فلسفہ کی دنیا میں زبردست تموج پیدا ہوا، ہر موضوع پر قلم رواں ہوگئے اور زبانیں کھل گئیں۔ اظہار خیال کے لیے اعلیٰ نمونہ قرآن مجید تھا۔ لکھنے اور بولنے والے محسوس کر رہے تھے کہ اس کی زبان سب سے زیادہ مستند ہے، اس کے الفاظ اور اس کے جملوں کے استعمال سے کلام کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج بھی عربی زبان کا وہ ادیب کامیاب ترین ادیب ہے جس کا اسلوب قرآن مجید کے اسلوب سے قریب ہو۔

گفتگو ادب کے موضوع پر ہو رہی ہے۔ نزول قرآن کے بعد اسلامی ملکوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتنی زبردست ادبی تحریک اٹھی کہ اس سے پہلے ادب کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اس کی وضاحت کے لیے بعض مثالوں کا سہارا لینے کی اجازت چاہوں گا۔

عربی ادب کا ذکر آئے تو جاحظ، ابن قتیبہ، مبرد، ابن عبدربہ ۳۲۷ھ، ابن رشیق ۴۶۳ھ اور زمخشری ۵۳۸ھ جیسے ادیبوں کا ذکر ناگزیر ہوگا۔ ان میں سے ہر فرد اپنے طرز میں منفرد اور لغت اور زبان کا امام ہے۔ انہوں نے اپنے وقت کے سماجی مسائل، مختلف فرقوں کے خیالات، سیاسی انقلابات و حوادث، زہد و اخلاق، سیر و سوانح، خاکے، انشائیے، طنز و مزاح، لطائف و ظرائف، نقدِ شعر و ادب بہت سے اصناف ادب سے بحث کی اور زبان و بیان کی لطافت اور اظہار خیال کی نزاکت کا وہ معیار قائم کیا کہ عربی ادب کو زندہ جاوید بنا دیا۔

ابن خلدون کو فلسفہ تاریخ کا بانی کہا جاسکتا ہے۔ اس نے تاریخ عالم پر گہری نظر ڈالی، اس کی صحت کو پرکھنے کی کوشش کی، مختلف معاشروں کا مطالعہ کیا، ہر جگہ کے سماجی و معاشی حالات کا جائزہ لیا، قوموں کے عروج و زوال سے بحث کی، اپنے دور کے مروجہ علوم کا تعارف کرایا اور ان پر نقد و تبصرہ کیا۔ اس زبردست علمی اور تحقیقی کام کو اس نے وہ اعلیٰ ادبی زبان عطا کی کہ اس کا مقدمہ صحیفۂ ادب بن گیا اور آج بھی وہ نثر مسترسل کا اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

امام غزالی کی 'احیاء علوم الدین' اسلامی علوم کی دائرۃ المعارف ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اسلامی علوم ختم ہو جائیں تو صرف اس ایک کتاب کی مدد سے پچاس فی صد اسلامی علوم زندہ کیے جاسکتے ہیں۔ اس میں قرآن، حدیث، فقہ، سوانح، فلسفہ و حکمت سب کچھ زیر بحث آیا ہے لیکن ادب کی چاشنی اس طرح برقرار ہے کہ کہیں ذوق بدمزہ نہیں ہوتا اور آدمی اس چشمۂ شیریں سے گھونٹ گھونٹ پیے چلا جاتا ہے۔

یہی حال حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے قلم کا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں فلسفۂ دین اور حکمتِ شریعت کو جس جاندار ادبی اسلوب میں پیش کیا ہے، علمی حقائق کی وضاحت کے لیے اس سے بہتر اسلوب مشکل ہی سے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہاں ان مسلمان ادباء و مفکرین کے افکار و خیالات کا جائزہ پیش نظر نہیں ہے، صرف اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اسلام کی روشنی سے نئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آفاق ابھرے، ادب نئی وسعتوں سے آشنا ہوا اور عروج و ارتقا کی وہ منزلیں ملے کیں جو پہلے اسے نصیب نہیں تھیں۔

اب ذرا شعر و سخن کی بات ہو جائے۔

یہ خیال غلط ہے کہ مذہب اور اخلاق کے زیر اثر شاعری اپنا حسن کھو دیتی اور نزاکت بیان اور لطافت خیال سے محروم ہو جاتی ہے۔ شاعری میں ہتھوڑا اور درانتی اٹھانے یا جنس اور بھوک کا چرچا کرنے کا نام حسن ہے تو بلا شبہ مذہب میں یہ حسن نہیں ہے۔ لیکن مذہب اور اخلاق کا اپنا ایک حسن ہے۔ البتہ اس حسن کو محسوس کرنے کے لیے ذرا ذوق لطیف چاہیے اور یہ خدا داد نعمت ہے۔ مذہب اور اخلاق سے جو لطیف اور نازک احساسات ابھرتے ہیں وہ شعر و سخن کی روح ہیں۔ ان سے شعر کی معنویت بڑھ جاتی ہے اور اس میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوتی ہے۔

یہاں بحث اسلام کی ہو رہی ہے۔ جن ادیبوں اور شاعروں نے اسلام کو جس حد تک جذب کیا اسی حد تک ان کی نظر میں وسعت اور پیغام میں آفاقیت نظر آتی ہے۔ ان کے کلام میں فلسفہ، اخلاق اور تہذیب و شرافت کی تابانی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے زلفِ گرہ گیر اور کاکل پیچاں کو موضوع بنانے اور گل و بلبل کی داستاں سنانے کی جگہ انسان کے ضمیر کو آواز دی، روحِ ملت کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور ادب کی قوت کو فساد کی راہ سے پھیر کر خیر و صلاح کا ذریعہ بنایا۔

مولانا روم کا میدان مثنوی کے علاوہ غزل بھی رہا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا تغزل اپنے دور کے تغزل کی خرابیوں سے بالکل پاک تھا لیکن مولانا کی بے تابی، تلاش اور جستجو اور سرمستی کی کیفیت دیدنی ہے۔

چوں غلام آفتابم ہم ز آفتاب گویم　　نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

وہ جب کہتے ہیں۔

بہ زیرِ کنگرہ عرش مردانند　　فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تغزل کو معراج نصیب ہو گئی ہے۔

ان کی ایک غزل کا شعر ہے۔

ما ز قرآں برگزیدیم مغز را　　پوست را پیشِ سگاں انداختیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ دعویٰ بہت بڑا ہے لیکن مولانا سے اس کا ثبوت طلب کیا جائے تو غزلیات کے دیوان کی جگہ اپنی بے نظیر مثنوی اس کے ثبوت میں پیش کریں گے۔ اسی کتاب نے انہیں بقا، دوام عطا کیا ہے۔

مثنوی میں الٰہیات کے پیچیدہ مسائل سے لے کر عبادات، اخلاق، تصوف اور پند و موعظت کے بے شمار پہلو زیر بحث آئے ہیں اور مولانا انہیں آیات و احادیث اپنی نادر تشبیہات و تمثیلات اور پر لطف حکایات سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (مولانا شبلی اور خلیفہ عبدالحکیم نے مثنوی کے ان پہلوؤں پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے) نظر کی یہ وسعت اور فلسفیانہ بصیرت قرآن مجید کی رہین منت ہے۔

شیخ سعدی غزل کے باوا آدم کہے جاتے ہیں۔ غزل کی موجودہ ہیئت کو ان ہی نے بام عروج پر پہنچایا ہے حافظ ان کا لوہا مانتے ہیں۔ جامی نے انہیں پیمبر غزل کہا ہے۔

در شعر سہ کس پیمبر انند — ہر چند لا نبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را — فردوسی و انوری و سعدی

سعدی جب غزل کہتے ہیں تو عشق و سرمستی کی کیفیت میں ڈوب کر کہتے ہیں۔ انہوں نے غزل کو وہ زبان عطا کی ہے کہ عشق کے جذبات و کیفیات بولتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ غزل میں بسا اوقات صاف گوئی اور بے باکی کے اظہار سے بھی نہیں چوکتے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زہد و تقویٰ اور مذہب و اخلاق کو قریب آنے نہیں دینا چاہتے۔

ہر کہ سودا نامۂ سعدی نوشت — دفتر پرہیزگاری گو بشوے

یہی سعدی غزل خواں گلستاں اور بوستاں میں "مصلح اخلاق" بن کر ابھرتے ہیں اور ہر طرف اخلاق و تہذیب کے گل بوٹے بکھیر دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں ان کتابوں میں بھی کہیں کہیں اس دور کے مذاق شاعری کے اثرات نمایاں ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اخلاق کا پہلو ان پر غالب ہے۔ اسی وجہ سے کتابیں صدیوں تک مسلم گھرانوں کے نصاب کا لازمی جزو رہی ہیں۔ یہ کتابیں اپنی ادبی خصوصیات کے لحاظ سے سعدی کے دیوان غزلیات سے کسی طرح کم نہیں بلکہ فزوں تر ہیں۔ دنیا سعدی کی غزلوں کو فراموش کر چکی لیکن یہ کتابیں آج بھی زندہ ہیں۔ ان کے ترجمے کے ذریعہ دنیا کی بہت سی زبانوں نے اپنے ادب کو مالا مال کیا ہے۔ ذرا ان اشعار کی سادگی اور پرکاری دیکھیے، اور سعدی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لطافت بیان کی داد دیجیے ۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

دوست نزدیک تراز من بہ من است — ویں عجب ترکہ من از وے دورم
چکنم باکہ تواں گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

غالب ہماری زبان کا بادشاہ ہے ۔ وہ جس طرح اس کی نزاکتوں سے واقف اور اس کے استعمالات کو جانتا ہے، اس میں کوئی دوسرا اس کا حریف نہیں ہے ۔

کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مرد افگنِ عشق — ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

غالب کے مشکل ترین اور سہل ترین دونوں ہی قسم کے اشعار میں اس کی انفرادیت جھلکتی ہے ۔ اس کی تراکیب فردوس گوش اور اس کے اسالیب بہار نظر ہیں ۔ اس کے قلم نے اردو زبان کو جو زندگی اور توانائی عطا کی اس سے جو انکار کرے وہ کافر ادب ٹھہرے ۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کی یہ بے پناہ ادبی صلاحیت شاہد و شراب کی نذر ہو کر رہ گئی ۔ کسی بڑے مقصد کے لیے استعمال نہ ہو سکی ۔

اقبال نے جب اسلام کے نشہ سے سرشار ہو کر میدان ادب میں قدم رکھا تو ان کی شعری صلاحیت زبردست ذہنی اور فکری انقلاب کا ذریعہ بن گئی ۔ شعر کے قدیم سانچوں میں نئے افکار و عزائم ڈھلنے لگے ۔ اس نے دل مسلم کو زندہ تمنا سے بھر دیا اور اپنے اشعار سے قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانے کا کام لیا ۔ اقبال نے شاعری سے جس طرح بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کا فرض انجام دیا دور دور تک اس کی مثال نہیں ملتی ۔

ادارۂ ادب اسلامی اسی روایت کو آگے بڑھانا چاہتا ہے ۔ اس کے پیش نظر ادب کے نام پر الفاظ کا جادو جگانا نہیں ہے بلکہ اسے وہ اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس کی شاعری طاؤس و رباب کی شاعری نہیں جو قوموں کو محوِ خواب، دنیا و فیہا سے غافل اور اپنے قریبی ماحول سے بھی بے خبر رکھتی ہے۔ اس کا نقطۂ نظر ہے "شاعری جزویست از پیغمبری"، جس ادب کا سررشتہ پیغمبری سے مل جائے اس کی طہارت اور پاکیزگی ہی سے نہیں رفعت و بلندی سے بھی کون کرسکتا ہے۔

میں نے اپنے موضوع سے ہٹ کر ادارہ ادب اسلامی کی نمائندگی شروع کردی ہے حالانکہ اس کی بہتر اور صحیح نمائندگی کرنے والے ذمہ دار افراد موجود ہیں۔

آخر میں ادارۂ ادب کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے روکھے پھیکے خیالات پیش کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔ اور آپ سب حضرات کا بھی شکور کہ ان بے ربط باتوں کو سننے کی زحمت برداشت کی۔

مولانا سید جلال الدین عمری کی تصانیف

معروف و منکر	۳۰/-
خدا اور رسول کا تصور (اسلامی تعلیمات میں)	۲.۵/-
انسان اور اس کے مسائل	۳/-
اسلام اور مشکلاتِ حیات	۸/-
اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	۲۵/-
اسلام کا شورائی نظام	۲۰/-
عورت اسلامی معاشرہ میں	
مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۲۰/-
عورت اور اسلام	۸/-
مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۳/-
بچے اور اسلام	۱/۷۵
اسلام کی دعوت	۲۰/-
اسلام — ایک دینِ دعوت	۲/-
اسلام اور وحدت بنی آدم	۱/۷۵
دولت میں خدا کا حق	۱/-
انسانوں کی خدمت	۲/-

مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی - ۶

© rasailojaraid.com